سخن سالارِ شروان: عظیم غزل گو شعراء کا پیشرو

ڈاکٹر محمد ناصر☆

Abstract

Khaqani, a great Persian poet, was born in Shirwan, located now in present country of Azerbaijan, and died in Tabriz, Iran. In his youth, he used to write under the pen-name Haqa"iqi. After he had been invited to the court of Shirwanshah Abu"l Muzaffar Khaqan-i-Akbar Manucheher, he assumed the pen-name of Khaqani. He left a remarkable Persian language heritage which includes some magnificent Odes of as many as three hundred lines with the same ryhme, melodious Ghazals, dramatic poems protesting against oppression and glorifying reason and toil, and elegies lamenting the death of his children, his wife and relatives. He was a master of Persian language, a poet possessing both intellect and heart who fled from the outer world to the inner world. In this article his influence and impact on three great Persian Ghazal poets e.g. Rumi, Sa'di and Hafez has been critically evaluated.

ادب، انسانی تہذیب کی تاریخ ہے، جس کا ایک اہم باب فارسی ادب سے موسوم ہے۔ فارسی ادب کا گراں مایہ اور بیش بہا سرمایہ، جس پر اس کی اہمیت کا بیشتر دارومدار ہے، بلاشبہ اس کا شعری ادب ہے۔ شاعری جو ہمیشہ سے انسان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا سب سے بڑا وسیلہ رہی ہے، فارسی ادب کی روح ہے۔

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر فارسی، کلیہ شرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

ایران خوش آہنگ وشیریں بیاں شاعروں کی سرزمین ہے لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فارسی ادب کا دائرۂ اثر ونفوذ ایران کی جغرافیائی سرحدوں سے کہیں زیادہ وسیع اور گہرا رہا ہے۔ اسلامی دور میں ایران کے دو مشہور صوبوں خراسان اور فارس کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک وہند، وسطی ایشیا اور قفقاز کے علاقے فارسی زبان وادب کا حقیقی مرکز اور گہوارہ رہے ہیں۔(۱) یہاں کے باسیوں نے فارسی ادب کو ایسے گنج ہائے گراں مایہ عطا کیے جو آج بھی خود اہل ایران کے لیے باعث فخر وانبساط ہیں۔ اقلیم سخن کا ایک ایسا ہی فرمانروا اور ملک سخن کا تاجدار خاقانی شروانی ہے۔ خاقانی نے چھٹی صدی ہجری میں کچھ اس بلند آہنگ اور پرشکوہ انداز میں شعر کہے، جو بالخصوص اُس دور کی تمام شاعری پر فوقیت رکھتے ہیں۔ خاقانی نے مدح سرائی میں نت نئے تجربات کرتے ہوئے کئی نئے دَر وا کیے۔ وہ اس نئے راستے کا تنہا مسافر ہے اور اس کی استعدادِ سخن بیشتر شعراء پر حاوی ہے۔ اس کے منفرد اسلوب میں کہے گئے قصائد اپنی مثال آپ ہیں۔ خاقانی کا اصل نام بدیل (۲) اور لقب افضل الدین تھا۔ پہلے پہل 'حقایقی' اور پھر 'خاقانی' تخلص اختیار کیا۔(۳) باپ کا نام علی تھا(۴) اور ماں نسطوری عیسائی تھی جو بعد ازاں حلقہ بہ گوش اسلام ہوگئی۔(۵) خاقانی کا سال پیدائش ۵۲۰ھ بمطابق ۱۱۲۲ء ہے۔(۶)

خاقانی کی زندگی کا بیشتر حصہ تلخیوں سے عبارت ہے۔ باپ کا سایہ بچپن میں ہی اٹھ گیا اور پھر چچا نے پرورش کی۔ پھر ابو العلاء گنجوی کے توسط سے شروانشاہ کے دربار تک رسائی حاصل کی اور اپنے علم وفضل اور خداداد شعری استعداد کی بنا پر غیر معمولی قدر ومنزلت پائی۔ ابو العلاء کی بیٹی سے شادی کی مگر پھر ابو العلاء سے بھی تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ دربارِ خراسان میں جانے کی خواہش دل میں جاگزیں ہوئی، جس کی اجازت نہ مل پائی۔(۷) حج کی سعادت بھی حاصل کی۔ دورانِ سفر مثنوی 'تحفۃ العراقین' مکمل کی۔ خلیفۂ بغداد نے منصب دبیری کی پیشکش کی، جو خاقانی نے ٹھکرا دی۔(۸) حج سے واپسی پر مدائن کی تباہی کا بہ چشم خویش مشاہدہ کرتے ہوئے شہرۂ آفاق قصیدہ کہا۔(۹) آخری عمر میں دربار سے دلچسپی نہ رہی۔ درویشی کی طرف میلان ہوا۔ بلا اجازت بیلقان چلا گیا، چنانچہ محبوس کر دیا گیا۔ مدت حبس سات ماہ تھی۔ دوران اسیری حبسیہ قصائد کہے، جو فارسی ادب کا سرمایہ ہیں اور مسعود سعد سلمان (۱۰۴۶ء۔ ۱۱۲۱ء) کے حبسیات کی یاد دلاتے ہیں۔ واپسی پر جانکاہ صدمات سے دوچار ہونا

پڑا۔ پہلے جواں سال بیٹا، بیٹی اور پھر بیوی داغ مفارقت دے گئے۔(۱۰) آخر کار وہ تبریز میں گوشہ نشین ہوگیا اور وہیں ۵۹۵ھ بمطابق ۱۱۹۰ء میں وفات پائی اور محلّۂ سرخاب کے مقبرۃ الشعراء میں مدفون ہوا۔(۱۱)

آثارِ خاقانی

۱۔دیوان: خاقانی کا دیوان فارسی زبان وادب کا عظیم سرمایہ ہے جس میں قصائد، غزلیات، ترکیب بند، ترجیع بند، رباعیات، قطعات اور متفرقات شامل ہیں۔

۲۔تحفۃ العراقین: مثنوی کی ہیئت میں فارسی ادب کا پہلا منظوم سفرنامہ ہے۔

۳۔ختم الغرائب

۴۔مکتوبات: وہ خطوط جو خاقانی نے اپنے دوستوں اور بزرگوں کو تحریر کیے، دراصل اس کی شخصیت کے آئینہ دار ہیں۔اس نے خود ہی ان خطوط کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(الف) دبیرانہ (ب) واعظانہ (ج) محققانہ

خاقانی کا شعری اسلوب

خاقانی کے ایک قصیدے کی شرح میں لکھی گئی اہم کتاب ''رخسار صبح'' میں لکھا ہے: ''خاقانی شاعری میں جس دبستان کا پیرو ہے اسے فارسی ادب میں فنّی شاعری کا نام دیا جاتا ہے۔اس کی شاعری میں ہنر نمائی اور آرائش وزیبائش کی طرف رجحان پایا جاتا ہے۔ایسی شاعری کو انہی خصائص کی بنا پر شعر مصنوع یا شعر متکلف بھی کہا جاتا ہے۔''(کزازی،۱۷۵) خاقانی کی مشکل پسندی معروف ہے۔ای جی براؤن کی رائے میں ''خاقانی اپنی مشکل پسندی اور پیچیدگی کی بنا پر خاصا بدنام ہے۔اس کا اسلوب بالعموم دشوار، انتہائی مصنوع اور بعض اوقات طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔'' (Browne, p.391)

علی دشتی کے بقول ''پیچیدگی اور ابہام کی فضا در اصل خاقانی کی زبان کا لازمی حصہ ہے۔''(دشتی،۱۵) ''اسے عادت ہی نہیں کہ اشیاء کو ان کے معروف ناموں سے پکارے۔''(ایضاً،۴۰) خاقانی نے سورج کو مرغ آتشین پر، پرندۂ یاقوت پیکر، خنگ سرکش، خشت زر، بیضۂ آتشین اور طفل خونین کہہ کر پکارا ہے۔دیوانِ خاقانی ایسے ہی سینکڑوں استعارات وکنایات سے لبریز ہے۔پروفیسر لیوی کے

بقول: ''بعید از قیاس تصاویر اس کے قصائد کی فضا کو مزید بوجھل بنا دیتی ہیں۔''(Levy, p.43)

خاقانی نے قوت فکر، فنی مہارت، تازہ تراکیب، تخلیق معانی اور مضامین نو کی بدولت ایک نئے اسلوب کی بنیاد رکھی۔ خاقانی عربی زبان اور مختلف علوم کا ماہر تھا، قصیدہ کہتا تو مذہب اور تاریخ کی تلمیحات اور ہیئت وفلسفہ کی اصطلاحات خود بخود جزوِ کلام بنتی چلی جاتیں جن کی وجہ سے اندازِ بیان عالمانہ ہوگیا۔ طویل قصائد میں مشکل ردیفوں کا التزام اور حسن کلام کے ساتھ ساتھ ملاحت ومتانت کو برقرار رکھنا خاقانی ہی کا خاصہ ہے۔ کوئی دوسرا سخنور اس میدان میں اس کا مقابلہ نہیں کر پاتا۔ قصائد میں مبالغہ، ابہام اور تصنع بھی پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے قصائد کو سمجھنے میں خاصی کاوش کرنا پڑتی ہے، لیکن سادہ وپر خلوص قصائد بھی ملتے ہیں۔ (۱۲) یان ریپکا اس کی مشکل پسندی کا دفاع کرتے ہوئے کہتا ہے: ''ایک نابغۂ روزگار دانشور کی حیثیت میں خاقانی نے اپنے عہد کے رائج اور متداول علوم کو اپنی شاعری میں بہ نحو احسن سمو دیا ہے''۔ (ریپکا، ۳۲۰)

دانشور، مفکر، محقق اور ادبی نقاد مدح سرائی کو دوسرے درجے کی شاعری تصور کرتے ہیں کیونکہ یہاں شاعر اکثر اوقات محض انعام وبخشش کی خواہش میں جھوٹی مدح پر مجبور ہوتا ہے جس کے سبب اشعار خلوص سے عاری ہوتے ہیں؛ لیکن خاقانی کے ہاں ایسی صورت نظر نہیں آتی۔ خاقانی کے ممدوحین میں صرف بادشاہ یا امراء ہی شامل نہیں بلکہ اس نے علمائے وقت کی ستائش بھی کی ہے۔ (۱۳) یا ان کی وفات پر تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ (۱۴) فتنۂ غز اور امام شافعی کے قتل پر اس کا مرثیہ بہت زوردار ہے۔ (۱۵) اپنے بیٹے اور بیوی کی وفات پر اس نے نہایت دردناک انداز میں اپنے جذبات کو الفاظ کا روپ دیا ہے۔ (۱۶) یہاں وہ قوتِ بیاں میں حکیم ناصر خسرو سے نزدیک تر ہے۔ خاقانی نے شاعری کو محض کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اس کی نظر میں شاعری کا مقام اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے اشعار روح کو رقص میں لے آتے ہیں۔

دیوانِ خاقانی میں ہزلیات وہجویات کی بھی کمی نہیں، اگرچہ وہ اس حقیقت کو جھٹلاتا ہے (۱۷) لیکن حقیقت یہ ہے کہ دیوانِ خاقانی شکایات اور بدگمانیوں سے لبریز ہے۔ بعض انتہائی اثر انگیز اور جذباتی مرثیوں کے بعد اس کے دیوان کا ایک اہم عنصر یہی ہزلیات ہیں جو اس دور کی اخلاقی اقدار کا

آئینہ بھی ہیں۔ شاید اس کا ایک سبب خاقانی کا ضرورت سے زیادہ زود رنج حساس ہونا بھی ہے۔ خاقانی کی شاعری سے اس کی سیماب صفت فطرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے معمولی سی ہمدردی اسے جذباتی ہیجان میں مبتلا اور چھوٹی سی ناملائمی اور نا انصافی اسے برافروختہ کر دیتی ہے۔ یہی خاقانی کے دیوان کی مجموعی فضا ہے۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ اپنے قصائد کی بنا پر شہرت پانے والے اس عظیم شاعر کے ہاں مدح کے شعر نسبتاً کم ہیں۔ اس کی شاعری کا اصل حسن تشبیب یا تغزل میں سامنے آتا ہے۔ خاقانی عاشقِ صبح ہے۔ اس کے متعدد قصائد طلوعِ آفتاب کی منظر کشی سے شروع ہوتے ہیں۔ سورج اس کا محبوب استعارہ ہے۔ اگر وہ 'مہر جہاں تاب' کے طلوع کا منظر بیان نہ بھی کرے تو بھی قصیدے کا آغاز بالعموم صبح سے ہی کرتا ہے۔ حیرت انگیز طور پر اُسے فصل بہار، موسم خزاں اور مظاہر فطرت سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں، لیکن جہاں جہاں اس نے ان موضوعات پر شعر کہے ہیں، شاعری کا حق ادا کر دیا ہے۔ خاقانی کو بزمیہ شاعری پر عبور حاصل ہے۔ وہ محافلِ عیش ونشاط ومجالسِ رنگ ونور کے مناظر انتہائی خوبصورت انداز میں قاری کے سامنے لاتا ہے، جہاں ستائش بادہ گساری بامدادی، توصیف آلاتِ طرب اور تشبیہاتِ بدیع وکوناکوں اس کی نوکِ خامہ سے جاری رہتے ہیں۔ خاقانی کے ہاں صنائع بدائع کا استعمال تصنّع وتکلّف کی حد تک پایا جاتا ہے۔ اس کے ہاں تشبیہات، استعارات، تلمیحات، معتقدات، اصطلاحاتِ نجوم واسطرلاب، شطرنج ونرد، علم طب اور شرعی امور سے متعلق کنایات بکثرت ملتے ہیں۔ وہ مراعات نظیر، تضاد، جناس اور لف ونشر جیسی صناعات شعری کا بکثرت استعمال کرتا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے: محبوب کے لیے 'سرو' کا استعارہ استعمال کرتے ہوئے اس کے لبوں کو غنچہ سے تشبیہ دیتا ہے اور پھر دوسرے ہی مصرع میں 'ماہ' کا استعارہ استعمال کرتے ہوئے اس کی روشنی کو دن کی مانند قرار دیتا ہے:

ای سرو غنچہ لب ز گلستان کیستی
وای ماہ روز وش ز شبستان کیستی (خاقانی، ۵۴۱)

دنیا کو پیمانے کی مانند قرار دیتا ہے (مشبہ ومشبہ بہ) جو بھر بھی جاتا ہے اور پھر خالی ہونا بھی اسی کا نصیب ہے (وجہ شبہ):

جہان پیانہ را ماند بعینہ
کہ چون پر شد تہی گردد بہ ہر بار (ایضاً، ۸۱۴)

'باغ خاطر' (تشبیہ بلیغ) اور 'نخل سخن' (تشبیہ بلیغ) جیسی دلکش تشبیہات شاعر کے خوش ذوق ہونے کا پتہ دیتی ہیں، وہ اپنے خاطرات کے باغ سے سخن کے پھول چُننے کی دعوت دیتا ہے:

ز باغ خاطر من خواہ تازہ نخل سخن
ز خشک بید ہر افسردہ ای چہ داری یاد (ایضاً، ۷۹۷)

'جامۂ جاہ' تشبیہ بلیغ ہے اور 'دل' خود ایک شخصیت جسے رفو کی امید نہیں رہی۔ یہ ایک ہنرمندانہ کنایہ بھی ہے کہ دولت گم گشتہ کا دوبارہ حصول ممکن دکھائی نہیں دیتا:

جامۂ جاہ من درید چنانک
دل امید رفو نمی دارد (ایضاً، ۸۰۰)

'جوی سلامت' (تشبیہ بلیغ) اور 'رخ آرزو' (استعارہ مکنیہ) جیسی تراکیب کچھ اور ہی کہانی سناتی ہیں۔ سلامتی کی ندی کا خشک ہونا بدامنی کے لیے اور آرزو کی رونمائی نہ ہونا، خواہشات کے پورا نہ ہونے کا کنایہ ہے:

بہ جوی سلامت کس آبی نبیند
رخ آرزو بی نقابی نبیند (ایضاً، ۷۳۷)

خاقانی علم سے نسبت رکھنے کو ترجیح دیتا ہے اور اسے ہی بقا کا راز قرار دیتا ہے۔ (شاخ علم: تشبیہ بلیغ):

نسبت از علم گیر خاقانی
کہ بقا شاخ علم را ثمرہ است (ایضاً، ۷۶۷)

غرض یہ کہ دیوان خاقانی کا ہر صفحہ ایسے ہی صنائع بدائع سے مزین ہے۔ قصائد اور غزلیات کو تو چھوڑیے قطعات، متفرقات اور مفردات تک ایسے ہی موتیوں سے مرصع ہیں۔ بس کوئی جوہری چاہیے جو اس ان مول خزانے کو خوب پرکھ سکے۔

نبی اکرم کی مدح، ستائش کعبہ، تمام تر دلچسپی کے باوجود منطق و فلسفہ سے گریز کی روش، باطنی

تطہیر کی طرف میلان، اوائل عمری میں بادہ پرستی اور طربیہ انداز اور بعد ازاں درویشانہ افکار، سرزمین ایران سے غیر معمولی لگاؤ، ایرانی تہذیب وثقافت سے گہری وابستگی اور پھر سب سے بڑھ کر خودستائی خاقانی کی شاعری کے محبوب موضوعات ہیں۔ستائشِ پیغمبر وکعبہ خاقانی کا پسندیدہ موضوع ہے۔وہ خود کو 'حسانِ عجم' کہتا ہے۔(۱۸) یہاں اس کی بہترین صلاحتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں۔پیغمبر کی مدح کرتے ہوئے لہجے کا خلوص صاف ظاہر ہے اور وہ اس پر نازاں بھی ہے۔اس کے دیوان میں فلسفہ ومنطق کے خلاف اشعار بھی ملتے ہیں۔وہ مذہبی وشرعی مسائل میں منطقی اندازِ فکر اختیار کرنے کا مخالف ہے۔عیش ونشاط اور رندی ومستی کی جو فضا دیوان حافظ پر حاوی ہے اس کی جھلکیاں خاقانی کے ہاں بھی ملتی ہیں۔ خاقانی کی پارسائی، پرہیز گاری، درویشی اور گوشہ نشینی جیسی قابل قدر صفات ایک تسلیم شدہ حقیقت ہیں لیکن اس نے اپنی چند عادات واطوار اور پسند وناپسند کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عطا وبخشش اور دوسروں کے راز کی حفاظت ضروری ہے اور شراب نوشی اور بوسۂ معشوق کا موقع تو ہرگز ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے:

چار چیز است، خوش آمد دلِ خاقانی را
گر تو اهلی و معاشر، مده این چار ز دست
مال پاشیدن و پوشیدنِ اسرارِ کسان
باده نوشیدن وبوسیدن معشوقۂ مست (ایضاً،۱۷۷)

وہ امن وتحفظ، ذہنی سکون اور مالی آسودگی کو خوش بختی کی علامت قرار دینے کے بعد صحت و سلامتی کو ان سب پر مقدم گردانتا ہے:

هر چه امن و فراغت است و کفاف
یافت خاقانی از جهان هر سه
گر چه هر سه ورای مملکت است
صحت آمد ورای آن هر سه (ایضاً،۸۴۰)

باطن گرائی اور درویشی خاقانی کی شاعری کا اہم موضوع اور دیوانِ خاقانی کے روشن ترین

اشعار ہیں۔ 'شاخ دولت' (تشبیہ بلیغ) سے 'میوہ افشانی' (استعارہ، دنیاوی مفادات) سے اسے کوئی رغبت نہیں۔ 'خوانچۂ دنیا' (تشبیہ بلیغ) سے 'مگس رانی' (مادہ پرستی سے لگاؤ) اسے بالکل پسند نہیں (کنایہ) بادشاہوں کے در سے زر طلب کرنا وہ کسر شان سمجھتا ہے:

شاخِ دولت بہ نزدِ خاقانی
میوہ افشاندش نمی ارزد
چرب و شیرین خوانچۂ دنیا
بہ مگس راندنش نمی ارزد
زر طلب کردن از درِ ملکان
آفرین خواندنش نمی ارزد (ایضاً، ۷۷۸)

اپنی عمر کے آخری حصے میں وہ سلطانی و درویشی کا فرق بھانپ چکا تھا کہ حقیقی حکمران ایک قانع درویش ہی ہے اور بھکاری وہی سلطان ہے جو اپنی خواہشات کا اسیر ہے، (سلطانی، درویشی: صنعت تضاد):

پس از سی سال روشن گشت بر خاقانی، این معنی
کہ سلطانی است درویشی و درویشی است سلطانی (ایضاً، ۳۷۸)

ایک سچے صوفی کی حیثیت سے وہ زر اندوزی کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔(۱۹) مال و دولت کی کمی کو رحمت اور زیادتی کو زحمت سمجھتا ہے۔ دولت کو شراب سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی کم مقدار روح افزا اور زیادہ مقدار عقل کے لیے زہر ہلاہل ہے:

مالِ کم راحت است و افزون رنج
لا جرم، مال می نخواہد عقل
ہمچو می کاندکش فزاید روح
لیک بسیار او بکاہد عقل (ایضاً، ۸۲۲)

وہ اپنے فضل و کمال سے بخوبی آگاہ تھا۔ اسی بنا پر اپنے زور کلام اور خداداد شعری استعداد پر

ناز اں دکھائی دیتا ہے۔(۲۰) 'باغ ہنر' (تشبیہ بلیغ) میں 'شاخ دانش' (تشبیہ بلیغ) کو ہزار سال کے صبر آزما انتظار کے بعد خاقانی کا سا پھول (تشبیہ) میسر آتا ہے۔ 'اقلیم سخن' (تشبیہ بلیغ) کا تنہا فرماں روا بھی خود خاقانی ہی ہے۔اس کے لہجے کی بے باکی تو دیکھئے:

ہزار سال بماند کہ تا بہ باغِ ہنر
ز شاخ دانش چون من گلی بہ بار آید (ایضاً،۷۸۳)
نیست اقلیم سخن را بہتر از من پادشا
در جہان ملکِ سخن رانی مسلّم شد مرا (ایضاً،۱۶)

خاقانی کی غزل گوئی

اگر یہ کہا جائے کہ خاقانی کی شاعری کا ہنر قصائد کی بجائے غزلیات میں کھل کر سامنے آیا ہے،تو بے جا نہ ہوگا۔غزل کے قالب میں خاقانی آسان پیرائے میں اظہارِ خیال کرتا ہے۔یہاں اس کی زبان نرم اور لہجہ عاشقانہ ہو جاتا ہے اور دقیق مضمون سادہ تعبیرات میں سامنے آتے ہیں۔دیوان خاقانی کا حسین ترین باب بہر حال غزلیات ہی ہیں، جہاں ایک حساس شاعر اپنے عواطف و احساسات کو خلوص بھرے لہجے اور سادہ اسلوب میں بیان کرتا دکھائی دیتا ہے۔ان غزلیات میں خاقانی کے تخیل کی بلندی اور شعری استعداد کمال کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔تصوف و عرفان کے موضوع پر غزل کے خوبصورت اشعار دیکھیے، وہ 'حضرت عشق' (تجسیم) کا ندیم اور کوئے قلندراں میں مقیم ہے، 'اختیار یار' کا بندۂ بے دام اور صوفی باصفا کی طرح بہشت کی حسرت سے آزاد ہے۔(بندہ، آزاد: صنعت تضاد):

تا حضرتِ عشق را ندیم ایم
در کوئِ قلندران مقیم ایم
ما بندۂ اختیارِ یاریم
آزاد ز جنت و نعیم ایم (ایضاً،۸۵۹)

فارسی ادب کی تاریخ میں ایسے شاعروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے جنھوں نے اپنے

بعد آنے والے شاعروں کی سوچ اوران کے تخیل کومہمیز کیا۔اس حوالے سے فردوسی وہ پہلا شاعر ہے جس کی تقلید کوحماسہ سرائی کی بنیاد خیال کیا جاتا ہے۔اگر چہ آج تک کوئی بھی دوسرا حماسہ سرا حکیم توس کی گرد کو بھی نہیں پا سکا۔سنائی غزنوی نے عرفانی شاعری کی بنیاد رکھی (۲۱)اور بعد ازاں عمر خیام اور نظامی گنجوی نے بالترتیب رباعیات اور بزمیہ شاعری میں کمال حاصل کیا اور صحیفۂ روزگار پر انمٹ نقوش چھوڑے۔اسی طرح خدائے سخن مولانا روم،معلم اخلاق سعدی شیرازی اور خواجۂ رنداں حافظ شیرازی ایسے شاعر ہیں جن کی پیروی باعث افتخار خیال کی جاتی ہے۔حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مؤخر الذکر تینوں عظیم شاعروں نے غزل گوئی میں خاقانی سے گہرے اثرات قبول کیے ہیں۔یوں شروان کا سخن سالار عظیم تر سخنوروں کی فہرست میں شامل ہونے کا بجا طور پر سزاوار ہے۔

خاقانی کا اسلوب بلاشبہ استادانہ ہے۔اس کے دیوان کو سبک خراسانی اور سبک عراقی کا نقطۂ اتصال کہنا بے جا نہ ہوگا۔لہجے کی پختگی،لفظی استحکام،تراکیب و اصطلاحات کی جدّت اور واضح ذہن اسے دیگر شعراء سے ممتاز بناتے ہیں۔اس کے دیوان پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ وہ نہ صرف غزل گوئی میں رومی،سعدی اور حافظ جیسے عظیم شعراء کا پیشرو بلکہ سبک ہندی کے بیشتر سخنوروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔خاقانی کے قصائد پر رزمیہ آہنگ اور حماسی لہجہ غالب ہے لیکن غزل گوئی میں مشابہت اور مماثلت کا احساس کہیں زیادہ ہے،جو خاقانی کی عظمت کی دلیل ہے۔

خاقانی اور مولانا روم

بظاہر خاقانی اور مولانا روم کے درمیان کوئی مماثلت دکھائی نہیں دیتی۔خاقانی ایک ہزل گو، قصیدہ سرا، ازلی بدبین اور زمانے سے دائم شکوہ کناں ہے۔جب کہ مولانا عشق حقیقی سے سرشار، جوش و جذبے کا امین،سالک جادۂ طریقت،راہبر راہ راستی، عارف وارستہ،صوفی باصفا اور خداوند سخن ہے۔ان تمام حقائق کے باوجود دیوان شمس کی متعدد غزلیات میں کچھ ایسے مفاہیم بیان ہوئے ہیں جو خاقانی کی غزلیات میں کچھ مشابہ الفاظ وتراکیب کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔بعید از قیاس ہے کہ مولانا جیسی

عظیم شخصیت نے خاقانی کی پیروی کرنا چاہی ہو یا براہ راست اس سے اثرات قبول کیے ہوں، لیکن یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ روح کو آئینہ دکھانے کے لیے جن الفاظ وتراکیب سے مولانا نے استفادہ کیا۔ خاقانی کے ہاں بھی جذبے کی سچائی اور اخلاص کی حدت عیناً انہی کلمات واصطلاحات میں ملتی ہے۔

انسان کامل کی جستجو کوئی نیا موضوع نہیں۔ سبھی صوفی اور سخنور اسی حسرت کا شکار رہے ہیں۔ خاقانی بھی کوئی استثنا نہیں۔ جب عشق کو کوئی نازنیں اور محرم راز روئے زمین پر نہیں مل پاتا تو اس کی تلاش کا سفر اسے کشاں کشاں آسمان کی وسعتوں کی طرف لے جاتا ہے۔ دنیائے فانی میں سلیمان تو لاکھوں ملتے ہیں لیکن کوئی ایک بھی صاحب نگین نہیں ہو پاتا:

اہل بر روی زمین جُستیم نیست
عشق را یک نازنین جُستیم نیست
زین سپس بر آسمان جوئیم اہل
زانکہ بر روی زمین جُستیم نیست
ہست در گیتی سلیمان صد ہزار
یک سلیمان را نگین جُستیم نیست (ایضاً، ۴۱۹)

مولانا نے بھی کم وبیش انہی مفاہیم کو اپنی شور انگیز غزل میں یوں سمویا ہے کہ اسے راہ عشق کی جستجو ہے اور محبوب کو پانے کی تمنا جب روئے زمیں پر یہ تلاش ناکام ٹھہرتی ہے تو وہ بھی آسمان کا رُخ کرتا ہے، وہ بھی خاتم سلیمان کو پانے کا خواہشمند ہے:

غیر عشقت راہ بین جُستیم نیست
جز نشانت راہ بین جُستیم نیست
بعد ازین بر آسمان جوئیم یار
زانکہ بر روی زمین جُستیم نیست
خاتم ملک سلیمان جُستنی است
حلقہ ہا ہست و نگین جُستیم نیست (مولانا، ۱۹۸)

دونوں کے ہاں ذہنی ہم آہنگی کی ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ خاقانی کو دنیا میں کوئی دل غم و آلام سے خالی دکھائی نہیں دیتا۔ شاید اسی لیے وہ غمگساری کو کیمیا سے کمتر خیال نہیں کرتا۔ اسی طرح مولانا کے ہاں محبوب ازلی کے بغیر شادی و شادمانی کا کوئی تصور نہیں:

در جہان ہیچ سینہ بی غم نیست
غم گساری ز کیمیا کم نیست (خاقانی،۴۲۳)
اندر آ عیش بی تو شادان نیست
کیست کو بندۂ تو از جان نیست (مولانا،۲۲۶)

ظاہری مماثلت کے علاوہ بھی متعدد یکساں تعبیرات و تراکیب دیوان خاقانی اور دیوان شمس میں دکھائی دیتی ہیں۔ خاقانی اس وقت تک محبوب کا قرب طلب نہیں کرتا جب تک اس کا عشق و جنوں خود اس کی ذات کی نفی نہیں کر دیتا۔ مولانا 'کور بدن' (تشبیہ بلیغ) پر روح کا رقص (تجسیم) دیکھتے ہیں تا کہ ذات کی نفی کا مشاہدہ کر سکیں:

تا مرا سودای تو خالی نگرداند ز من
با تو ننشینم بکام خویشتن بہ خویشتن (خاقانی،۵۲۶)
بر سر کور بدن بین جان ہا رقصان شدہ
تا ببینی صد ہزاران خویشتن بی خویشتن
(ایضاً،۷۳۲)

خودسپردگی، نفی ذات کی خواہش، جنون و دیوانگی اور عواطف و احساسات کا طوفان بلاخیز خاقانی اور مولانا کو بہا لے جاتے ہیں۔ خاقانی محبوب کی ہمراہ 'صحرائے دل' (تشبیہ بلیغ) میں 'من و تو' کا امتیاز فراموش کر دیتا ہے۔ مولانا محبوب کی موجودگی میں دنیاوی خرافات کو بھلا بیٹھتے ہیں:

زین پس من و صحرای دل روشن تو
من چون تو و تو چون من و من بی من و تو (خاقانی،۷۰۲)

من و تو بی من و تو جمع شویم از سر ذوق
خوش و فارغ ز خرافات پریشان من و تو
(مولانا،۸۳۰)

خاقانی جب سے کوچۂ محبوب کو بوسہ دیتا آیا ہے تب سے اس کے لبوں سے بوئے جاں (حسّامیزی) آرہی ہے اور مولانا کے لبوں سے تو ہر سانس کے ساتھ بوئے جاں آتی ہے تا کہ جان، جاناں سے دوری کا شکوہ نہ کر پائے:

تا لب من خاک بوس کوی تو است
ہر دم از لب بوی جان می آیدم (خاقانی،۵۰۵)
بوی جان ہر نفسی از لب من می آید
تا شکایت نکند جان کہ زجانان دورم
(مولانا،۶۱۷)

خاقانی اور سعدی

خاقانی اور سعدی بھی بظاہر یکسر مختلف شاعر اور دو متضاد دنیاؤں کے باسی دکھائی دیتے ہیں۔ سعدی بجا طور پر استادِ سخن اور معلّم اخلاق کہلوانے کا مستحق ہے۔ اس کی زبان بے حد شستہ و پختہ اور اس کے ساتھ ساتھ سادہ و شیریں ہے۔ زبان و بیان پر سعدی کی دسترس کسی معجزے سے کم نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ گزشتہ ہزار برس میں فارسی نے سعدی کا سا زبان دان پیدا نہیں کیا۔ سات سو برس ہوتے ہیں کہ اہل ایران سعدی ہی کی زبان بولتے، لکھتے اور سمجھتے ہیں۔ وہ زبان کا معیار ہے اور وہی اس کی کسوٹی۔ کون ہے جو اس کے مقابل ٹھہر پائے؟ لیکن یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ خاقانی کی بعض غزلیات پر سعدی کا گماں گزرتا ہے۔ دونوں ہی 'ماہ دو ہفتہ' (چودھویں کا چاند، یعنی محبوب، استعارہ) کے اسیر اور دیدار کے آرزومند ہیں۔ دو ہفتے ہو چلے ہیں کہ خاقانی دیدارِ محبوب سے محروم ہے، اور اس نے چودھویں کا چاند (محبوب کا چہرہ، استعارہ) زلفوں کی اوٹ سے نہیں دیکھا۔ سعدی کی داستان بھی کچھ مختلف

نہیں ۔دو ہفتے بیت چکے ہیں کہ اس نے چودھویں کا چاند (محبوب کا چہرہ، استعارہ) نہیں دیکھا۔محبوب تک پہنچنے کے لیے اُس کی جان لبوں تک آ پہنچی ہے:

امروز دو ہفتہ است کہ روی تو ندیدم
وآن ماہ دو جفت ازخم موی تو ندیدم (خاقانی،۵۱۰)

دو ہفتہ می گذرد کان مہ دو ہفتہ ندیدم
بہ جان رسیدم از آن تا بہ خدمتش برسیدم
(سعدی،۵۵۹)

دونوں ہی محبوب کے جفاگزیدہ ہیں ۔اسے دشمن جاں سمجھتے ہیں لیکن اس کی دوری بھی گوارا نہیں کرتے ۔خاقانی کے بقول 'عشقِ دوست' جو کچھ کرگزرتا ہے وہ تو دشمن بھی دشمنِ جاں سے نہیں کرپاتا ۔سعدی کہتا ہے کہ دشمنوں کی شکایت دوستوں سے بیان کی جاتی ہے ۔جب دوست ہی دشمنی پر اُتر آئے تو شکایت بھلا کس سے کی جائے:

آنچہ عشق دوست با من می کند
واللہ ار دشمن بہ دشمن می کند (خاقانی،۴۷۵)

از دشمنان برند شکایت بہ دوستان
چون دوست دشمنست شکایت کجا برم (سعدی،۶۴۵)

خاقانی محبوب کے دیے ہوئے زخم کو بہ انداز ہ مرہم جانتا ہے لیکن ساتھ ہی سلطان کے بخشے زہر کو تریاق بھی خیال کرتا ہے ۔جبکہ سعدی کے نزدیک عاشق زار کے لیے محبوب کے ہاتھوں سے ملا زہر ہی داروکا کام دیتا ہے ۔'بازوئے دوست' سے ملا زخم ہی درحقیقت 'مرہم عشاق' ہے:

زخم کہ جانان زند ہمسر مرہم شناس
زہر کہ سلطان دہد ہمبر تریاق نہ (خاقانی،۵۳۲)

داروی مشتاق چیست؟ زہر ز دست نگار
مرہم عشاق چیست؟ زخم ز بازوی دوست
(سعدی،۱۶۰)

دونوں ہی عاشق زار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔خاقانی کہتا ہے کہ اے محبوب تیری نگاہیں خود اپنے حسن کی تاب نہیں لاسکتیں تو خود آئینے کے لیے فتنۂ جاں ہے۔سعدی کو اس بات پر ہرگز کوئی تعجب نہیں کہ سراسر آفاق اس کے محبوب کو دیکھ کر سرگشتہ وحیراں ہے۔چونکہ خود محبوب آئینے کے روبرو اپنے حسن بلاخیز پر فریفتہ ہے:

کی دلت تاب نگاہی دارد
آفت آینہ ہا آمدہ ای(خاقانی،۵۴۵)
عجب در آن نہ کہ آفاق در تو حیران اند
تو ہم در آینہ حیران حسن خویشتنی (سعدی،۸۸۰)

خاقانی خود کو اہل بخشش وعطا گردانتا ہے اور اسی بنیاد پر محبوب سے بخشش وعطا کا طالب بھی ہے۔سعدی بھی شکوہ کناں ہے کہ وہ 'سرکش سنگین دل' عاشق 'خستہ' پر رحم نہیں کھاتا لیکن پھر بھی دامن امید کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا:

چون امیدم بریدہ نیست ز تو
ہمہ رنجی کہ باشدم شاید
اہل بخشایشم سزد کہ دلت
بر تن و جان من ببخشاید(خاقانی،۷۷۶)
بر خستہ ببخشاید آن سرکش سنگین دل
باشد کہ چو باز آید برگشتہ ببخشاید(سعدی،۴۰۹)

محبوب تو بخوبی آگاہ ہے کہ خاقانی مہر و وفا کا عہد ہرگز نہ توڑے گا لیکن افسوس خود خاقانی اپنے محبوب کے بارے میں اتنا پُر اعتماد نہیں۔بالآخر خاقانی کو علم ہو ہی گیا ہے کہ محبوب نے اُس سے ناطہ توڑ کر کسی اور سے راہ ورسم بڑھالی ہے:

ہست یقینت کہ من مہر ترا نگسلم
نیست درستم کہ تو عہد مرا نشکنی (خاقانی،۵۵۹)
ز من گسستی و با دیگران پیوستی
مرا درست شد اکنون کہ عہد بشکستی (ایضاً،۵۶۴)

سعدی نے متعدد غزلیات میں کچھ ایسا ہی مضمون باندھا ہے۔ کہتا ہے کہ اے محبوب مہر و وفا کی قسم، میں نے تجھ سے تعلق توڑا، اور نہ ہی کسی اور سے جوڑا۔ ایک اور غزل میں محبوب کے قدموں کی خاک کی قسم کھاتا ہے کہ تو نے ہی مجھ سے تعلق توڑا۔ میں تو اپنے عہد پر قائم رہا اور تیرے سوا کسی کا نہ ہوا:

بہ حق مہر و وفائی کہ میان من و تست
کہ نہ مہر از تا بریدم نہ بہ کس پیوستم (سعدی،۵۳۸)
بہ خاک پای عزیزت کہ عہد نشکستم
ز من بریدی و با ہیچ کس نپیوستم (ایضاً،۵۳۵)

خاقانی اور سعدی دونوں ہی کو شکوہ ہے کہ محبوب نے انھیں محبت، جدائی اور بے وفائی کی آگ پر بٹھا رکھا ہے:

بہ یاد مصطبہ برخاستی معربد وار
بر آتشم بنشاندی و زود بنشستی (خاقانی،۵۶۳)
تو ہیچ عہد نبستی کہ عاقبت نشکستی
مرا بہ آتش سوزان نشاندی و ننشستی (سعدی،۷۶۳)
بر آتش تو نشستیم و دود شوق بر آمد
تو ساعتی ننشستی کہ آتشی بنشانی (سعدی،۸۹۶)

سعدی کا معجزہ سہل الممتنع میں ہے۔ وہ روزمرہ کی زبان میں ایسی تراکیب اور ایسے الفاظ کا استعمال اتنے سہل انداز میں کرتا ہے کہ اس کی تقلید ناممکن ٹھہرتی ہے۔ خاقانی کے ہاں ٹھہراؤ ہے تو

سعدی کے ہاں روانی، خاقانی اپنے علم وفضل پر نازاں ہے تو سعدی اس سے بے نیاز، اس کی شاعری تو بہتی ندی ہے یا برستی آبشار۔

خاقانی اور حافظ

فارسی غزل کے عظیم ترین شاعر حافظ نے خاقانی سے بے پناہ اثرات قبول کیے۔ شاعری دیر آشنا میں لکھا ہے کہ ''نازک خیالی، لفظی ظرافت، نت نئی تشبیہات، نادر استعارات، ہنرمندانہ کنایات، مرصع ترکیبات، ایرانی تاریخ اور تہذیب وثقافت کی طرف لطیف اشارات کے اعتبار سے خاقانی شروانی اور حافظ شیرازی کے درمیان غیر معمولی مشابہت اور مماثلت قاری کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔'' (علی دشتی، ۹۰)

حافظ کے ہاں تخیل کی تازگی بھی ہے اور زبان وبیان کی لطافت بھی، فکری ظرافت بھی ہے اور سلاست وجزالت بھی۔ متروک ونامانوس کلمات، بے جان تراکیب اور بعید از قیاس تشبیہات و استعارات کی دیوان حافظ میں کوئی گنجائش نہیں۔ ساحرانہ انداز بیاں حافظ کو منفرد وممتاز بناتا ہے لیکن اس حقیقت سے گریز بھلا کہاں ممکن ہے کہ سعدی کے بعد غالباً خاقانی ہی وہ اہم ترین سخنور ہے جو حافظ شیریں سخن کے پیش نظر رہا ہے۔ دیوان حافظ میں ایسی غزلیات بھی ملتی ہیں جو قافیہ وردیف کے اعتبار سے خاقانی کی بعض غزلیات کا عکس ہیں۔ اسی طرح ایسی تراکیب، اصطلاحات، تشبیہات واستعارات کی بھی کمی نہیں جو براہ راست خاقانی کی یاد دلاتے ہیں۔ حافظ وخاقانی میں مشابہت کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ خاقانی کے نزدیک عشق شور انگیز ہے۔ دلوں میں آگ بھڑکاتا ہے اور دھواں سبھی کو اس خبر دیتا اور راز فاش کر دیتا ہے۔ محبوب کی دہلیز پر عشاق ہر لحظہ اس کے دیدار کی حسرت لیے فریاد کناں ہیں۔ حافظ مقصد کی برآوری کے لیے جان سے گزرنے پر آمادہ ہے، یا تو محبوب کو پالے گا یا پھر جان، جان آفرین کے سپرد کر دے گا۔ وہ بھی محبوب سے رونمائی اور محو کلام ہونے کی التجا کرتا ہے تاکہ دیکھنے والے اس کے والہ وشیدا ہو جائیں اور سننے والے فریاد پر اتر آئیں:

عشق تو چون در آید شور از جہان بر آید
دل ہا در آتش افتد دُود از میان بر آید

در آرزو رُویت بر آستان کویت
هر دم هزار فریاد از عاشقان بر آید (خاقانی، ۴۴۸)
دست از طلب ندارم تا کام من بر آید
یا تن رسد به جانان یا جان ز تن بر آید
بنمای رخ که خلقی واله شوند و حیران
بگشای لب که فریاد از مرد و زن بر آید (حافظ، ۳۱۵)

مایوسی، بد بینی اور دل تنگی خاقانی کی شاعری کی مجموعی فضا ہے۔ وہ 'بخت و روزگار' دونوں کے ساتھ حالت عتاب (تجسیم) اور اسی طرح 'یار و غم گسار' کے ساتھ حالت حجاب میں ہے۔ اس کے برعکس امید پسند اور خوش بین حافظ کو 'دید ار یار' اور 'بوس و کنار' سبھی کچھ میسر ہے اور وہ 'بخت و روزگار' کا شکر گزار ہے:

با بخت در عتابم و با روزگار هم
وز یار در حجابم و از غم گسار هم (خاقانی، ۴۹۵)
دیدار شد میسر و بوس و کنار هم
از بخت شکر دارم و از روزگار هم (حافظ، ۴۹۲)

خاقانی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنا دل محبوب کے دست محبت (دستِ مہر: تشبیہ بلیغ) میں سونپ دیتا ہے۔ وہ محبت کے دکھ جھیلتا اور اس پر فخر کرتا ہے۔ محبوب کہتا ہے کہ تم تو دل دے کر فارغ ہو بیٹھے ہو تو خاقانی جان دینے پر اتر آتا ہے۔ وہ آستین ناز (تشبیہ بلیغ) کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور دامنِ نیاز (تشبیہ بلیغ) محبوب کے سامنے پھیلا دیتا ہے۔ اسے کسی سے کوئی غرض نہیں بس عشق کرنا ہی اس کے لیے کافی ہے۔ وہ اس دنیا میں آزاد پیدا ہوا ہے اور بھلا اسے کیا چاہیے؟ 'بادہ خانہ' کی جستجو میں ہم سب خاقانی کے ہمراہ ہیں:

ما دل به دست مهر او زان باز داده ایم
کاندر طریق مهر تو گرم اوفتاده ایم

ما درد های رطل تو زان در کشیده ایم
کز رمز های درد او سری گشاده ایم
گفتی که دل بداده و فارغ نشسته ای
اینک برای دادن جان ایستاده ایم
ما آستین ناز از دست کی دهیم
چون دامن نیاز به دست تو داده ایم
کس را چه دست بر ما که عاشق تو ایم
مولای کس نه ایم که آزاد زاده ایم
ما هم به باده همدم خاقانی ایم و بس
کو راه باده خانه که جویای باده ایم(خاقانی،۵۱۵)

حافظ حال عشق و مستی میں دل محبوب کوسونپ چکا ہے۔اب وہ عشق کا ہمراز اور جام بادہ کا مونس ہے (تجسیم) جب سے وہ 'ابروی جاناں' کا اسیر ہوا ہے لوگوں نے 'کمان ملامت' (تشبیہ بلیغ) تان رکھی ہے۔پیر مغان کو حافظ کی توبہ رنجیدہ کرتی ہے تو وہ فوراً معذرت پر اتر آتا ہے۔وہ تو 'گل شقایق' ہے (تشبیہ) دل پر داغ لیے اس دنیا میں آیا ہے (وجہ شبہ) اس کا اصرار ہے کہ یہ رنگ وخیال (دنیاداری) کچھ بھی نہیں اور وہ اب بھی لوح سادہ (عاشقِ صادق) کے سوا کچھ بھی نہیں:

ما بی غمان مست دل از دست داده ایم
همراز عشق و هم نفس جام و باده ایم
بر ما بسی کمان ملامت کشیده اند
تا کار خود ز ابروی جانان گشاده ایم
پیر مغان ز توبهٔ ما گر ملول شد
گو باده صاف کن که به عذر ایستاده ایم

ای گل تو دوش جام صبوحی کشیده ای
ما آن شقاقیم که با داغ زاده ایم
گفتی که حافظ این همه رنگ و خیال چیست؟
نقش غلط مبین که همان لوح ساده ایم
(حافظ،۴۹۵۔۴۹۶)

خاقانی کے ہاں وہ طاقت وحوصلہ نہیں جو 'منزل جاناں' تک اس کی رہنمائی کر سکے۔ وہ تو ناتواں چیونٹی ہے (تشبیہ) اور سلیمان تک رسائی سے قاصر ہے۔ (تلمیح) رات تاریک ہے، منزل دور اور راستہ پرخطر (تصویر) اور اسے معلوم نہیں کہ 'دردوست' تک کیسے جا پہنچے۔ (عشق حقیقی) حافظ شادی بھرے اس دن کا منتظر ہے جب وہ اس 'منزل ویراں' (استعارہ برائے دنیا) سے چلا جائے گا۔ وہ 'راحت جاں' کے حصول کے لیے محبوب کی تلاش میں ہے۔ (عشق حقیقی) 'زندان سکندر' کی وحشت سے اس کا دل بھر آتا ہے۔ وہ اپنا ساز وسامان باندھتا ہے تا کہ 'ملک سلیمان' تک جا پہنچے۔ (تلمیح)

طاقتی کو کہ بہ سر منزل جانان برسم
ناتوان مورم و خود کی بہ سلیمان برسم
شب تار و رہ دور و خطر مدعیان
تا در دوست ندانم بہ چہ عنوان برسم (خاقانی،۵۱۸)
خرم آن روز کزین منزل ویران بروم
راحت جان طلبم وز پی جانان بروم
دلم از وحشت زندان سکندر بگرفت
رخت بر بندم و تا ملک سلیمان بروم (حافظ،۴۸۸)

خاقانی کا دل پسند منظر یعنی طلوع آفتاب کا نظارہ بھی دیکھ لیجیے۔ کہتا ہے صبح ہوگئی، سورج طلوع ہوگیا، بوتل کا دہانہ کھول دو، آفتاب ہی کی طرح میرا ساغر شراب سے بھر دو۔ حافظ کے ہاں اسی

مضمون پر متعدد اشعار ملتے ہیں۔ وہ بھی کہتا ہے کہ اے ساقی صبح ہوگئی، آسمان (استعارہ برائے تقدیر) کا کیا بھروسہ، جلدی کرو اور میرا پیالہ شراب سے بھر دو۔

دہان شیشہ کشا صبح شد شراب بریز
میی بہ ساغر من ہمچو آفتاب بریز (خاقانی، ۴۸۷)

صبح شد ساقیا قدحی پر شراب کن
دور فلک درنگ ندارد شتاب کن (حافظ، ۵۳۹)

خاقانی اب کسی چاند کی تلاش میں نہیں۔ اس کے لیے محبوب کا چاند سا چہرہ ہی کافی ہے۔ (تشبیہ) اب اسے کوئی پھول بھی نہیں چاہیے۔ محبوب کا پھول سا چہرہ ہی اس کے لیے بہت ہے۔ (تشبیہ) اسی طرح حافظ کو بھی 'گلستان جہان' (تشبیہ بلیغ) سے ایک 'گلعذار' (تشبیہ)، اور اس چمن (استعارہ برائے دنیا) سے 'سرو رواں' (استعارہ برائے محبوب) کا سایہ (لطف وعنایت) ہی بہت ہے۔

مہ نجویم مہ مرا روی تو بس
گل نبویم گل مرا روی تو بس (خاقانی، ۴۸۸)

گل عذاری ز گلستان جہان ما را بس
زین چمن سایۂ آن سرو روان ما را بس
(حافظ، ۳۶۳)

خاقانی کے نزدیک محبوب کے قدموں میں سر جھکانا ہی سب سے افضل ہے۔ جانبازوں (عشاق) کے سینوں (دلوں) میں محبوب کا سودا (عشق) ہی سب سے بہتر ہے۔ حافظ کہتا ہے کہ یہ خرقۂ درویشی شراب کی خاطر رہن رکھنا ہی بہتر اور اس بے معنی دفتر کو مے ناب میں ڈبو دینا ہی افضل ہے۔

سرہای سراندازان در پای تو اولیٰ تر
در سینۂ جانبازان سودای تو اولیٰ تر (خاقانی، ۴۸۵)

این خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولیٰ
وین دفتر بی معنی غرق می ناب اولیٰ (حافظ،۶۳۴)

سبک ہندی کے تقریباً سبھی عظیم غزل کوشعراء من جملہ عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری، طالب آملی، قدسی مشہدی اور صائب تبریزی پر بھی خاقانی کے گہرے اثرات واضح ہیں۔(۲۲)

خاقانی فارسی کا مسلّم الثبوت استاد شاعر ہے۔اس کے فن کی عظمت نے ہر دور میں ناقدین شعروادب سے داد وتحسین پائی ہے۔آیئے چند آراء دیکھتے ہیں:

۔ ''شیوۂ سخن خاقانی پر ختم ہو چکا ہے۔اس کے بعد کسی نے ایسے اسلوب میں نظم کے موتی نہیں پروئے۔''(عوفی،۲۲۱)

۔ ''شروان کا عظیم سخنور خاقانی مشائخ عظام، اکابر صوفیہ، جلیل القدر عرفاء اور صاحب حکمت متقدمین میں سے ایک ہے۔''(جامی،۵۴۶)

۔ ''بے مثال اشعار کا خالق ہے۔ایسے طمطراق اور بلند آہنگی سے آج تک کسی اور سخنور نے شعر نہیں کہے۔''(مستوفی،۸۱۸)

۔ ''خاقانی علم کے اعتبار سے بے مثال اور شاعری کے لحاظ سے مسلمہ استاد تھا۔''(دولتشاہ،۷۸)

۔ ''اس نے شاعری کا نیا اسلوب اختیار کیا جو خود اسی کی اختراع ہے۔اس کے افکار کا آسمان روشن ستاروں سے بھرا ہے اور اس کی تراکیب نہایت پسندیدہ ہیں۔''(آذر،۳۹)

۔ ''وہ ایک خاص اسلوب کا شاعر ہے جو خود اسی کا خاصہ ہے۔'' (ہدایت،۲۰۰)

۔ ''اربابِ فصاحت اور اصحابِ بلاغت خاقانی کو قدوۂ فصحاء اور بلغائے رُوئے زمین میں سے ایک جانتے ہیں۔محققین اسے نادر الفاظ وتراکیب کا خالق اور تازہ مفاہیم کا مخترع خیال کرتے ہیں۔''(ابو طالب،۸۰)

۔ ''خاقانی کو بلند فکر شاعروں، نابغۂ روزگار دانشوروں اور درجۂ اول کے قصیدہ سراؤں میں سے قرار دیا جانا چاہیے جو فارسی شاعری میں کئی ابتکارات کا باعث بنا۔''(زہرا خانلری،۱۴۴)

۔ ''ایران کے عظیم ترین شعراء اور بلغاء میں سے ایک ہے۔''(صفا،۶۷۷)

۔ ''خاقانی کا وجود اس حقیقت کا مظہر ہے کہ سرزمین ایران کے ہر گوشہ و کنار سے متعلق شاعروں نے اپنے گلہائے ادب سے ماحول کو معطر کیا، خواہ ان کا تعلق خراسان سے ہو یا آذربائیجان سے، انھوں نے دلکش اور رنگین پھولوں سے ماحول کو شگفتہ کیے رکھا۔''(شفق،۸۳)

۔ ''خاقانی کی شاعری بے حد رواں اور فصاحت کے انتہائی درجے پر ہے۔ اپنے عہد میں اسے بے پناہ شہرت حاصل ہوئی۔''(نفیسی،۱۰۲)

۔ ''خاقانی فارسی ادب کی تاریخ کے عظیم ترین ناموں میں سے ایک ہے۔''

(Browne, p.391, Volume 2)

۔ ''خاقانی ایک قصیدہ گو تو ہے لیکن معمولی قصیدہ سراؤں جیسا ہرگز نہیں۔ اس میں عظیم ترین شاعروں کی تمام خوبیاں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ متاخرین پر اس کے اثرات ناقابل یقین حد تک گہرے ہیں۔ علم و ادب کے حوالے سے خاقانی کا مقام و مرتبہ بے حد بلند ہے۔ اس جیسی مہارت کا ثبوت بہت کم شاعروں نے دیا ہے۔ بلاشبہ وہ فارسی ادب کے ستونوں میں سے ایک ہے۔''(ریپکا،۳۲۲)

۔ ''خاقانی ایران کے آسمان ادبیات کے درخشاں ترین ستاروں میں سے ایک ہے۔ ایسے جادو اثر شاعر اور بے مثال قصیدہ گو کا کما حقہ تعارف شاید ہی کروایا جا سکے۔''(عباسی، پنج)

۔ ''بلاشک و شبہ کہا جا سکتا ہے کہ حافظ غزل کے میدان کا خاقانی اور خاقانی قصیدے کی دنیا کا حافظ ہے۔''(کزازی،ص۱۵۶) ''بلاشبہ خاقانی فارسی ادب کے عظیم ترین اور چیرہ دست قصیدہ سراؤں میں سرفہرست ہے اور اگر اسے ایران کی ادبی تاریخ کا سب سے بڑا قصیدہ گو قرار دیں تو یقیناً ہم حق بجانب ہوں گے اور اس دعویٰ کو جھٹلانا آسان نہیں ہوگا۔''(ایضاً،ص۱۷۵)

گویا خاقانی فارسی شعر و ادب کی تاریخ کا عظیم نام ہے۔ اپنی تمام تر مشکل پسندی کے باوجود اس نے اپنے فن کی عظمت تسلیم کروائی ہے۔ دیوانِ خاقانی، تاریخِ شعر فارسی کا روشن باب ہے۔ فارسی شاعری کی تاریخ میں اس کا مقام متعین کرتے ہوئے خود اسی کا یہ شعر دہرانا کافی ہوگا:

سخن گفتن بہ کہ ختم است ؟ می دانی وی پرسی؟
فلک را بین کہ می گوید: بہ خاقانی بہ خاقانی!
(خاقانی،۴۷۸)

☆☆☆☆☆

حواشی

(۱) فارسی شاعری کا پہلا باقاعدہ اسلوب خراسان میں رواج پانے کی بنا پر 'سبک خراسانی' کہلایا۔ اسی طرح دوسرے انداز کو عراق عجم (صوبہ فارس) کی مناسبت سے 'سبک عراقی' کا نام دیا گیا۔ بعدازاں فارسی شاعری کا مرکز برصغیر میں منتقل ہونے کی بنا پر تیسرے اسلوب نے 'سبک ہندی' کے نام سے شہرت پائی۔ ایران کے علاوہ فارسی کے بعض عظیم شعراء کا تعلق وسطی ایشیا، قفقاز اور برصغیر پاک و ہند سے رہا ہے۔

(۲) اپنے نام کے بارے میں خاقانی خود کہتا ہے:

بدل من آدمم اندر جہان سنائی را بدین دلیل پدر نام من 'بدیل' نہاد (دیوان، ۷۹۷)

(۳) خاقانی نے پہلے پہل 'حقایقی' تخلص اختیار کیا، بعدازاں خاقان اکبر منوچہر شروانشاہ کی مناسبت سے 'خاقانی' کے لقب سے سرافراز ہوا۔

(۴) مثنوی تحفۃ العراقین میں والد کا ذکر یوں کرتا ہے:

از بہر خلافِ سبک بار بر مایدۂ علی نجار
مرغ دلِ من گرفتہ پرواز از دانہ و آب آن نگوساز (تحفہ، ۲۱۳-۲۱۴)

(۵) والدہ کی ستائش میں لکھتا ہے:

کارم ز مزاجِ بد نرستی گر نہ برکاتِ مادرستی (ایضا، ۲۱۴)

(۶) اصفہان پر کیے گئے معروف قصیدے میں کہتا ہے:

پانصد ہجرت چو من نزاد یگانہ بازدوگانہ کنم دعای صفاہان (دیوان، ۳۲۱)

تحفۃ العراقین میں ملک الوزراء جمال الدین محمد موصلی کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

گفتا: چہ کسی و چیست نامت؟ اصلت ز کجا؟ کجا مقامت؟
گفتم: متعلمی سخندان میلاد من از بلاد شروان (تحفہ،۴۲_۴۳)

(۷) خراسان جانے کی خواہش کا اظہار یوں کرتا ہے:

چہ سبب سوی خراسان شدنم نگذارند بلبلم سوی گلستان شدنم نگذارند (دیوان،۱۳۳)

(۸) خلیفہ نے دبیری کا منصب پیش کیا، لیکن خاقانی نے معذرت کر لی:

خلیفہ گوید، خاقانیا دبیری کن کہ پایگاہ ترا بر فلک گذارم سر
دبیرم آری سحر آفرین گہ انشا ولیک زحمت این شغل راندارم سر (ایضاً،ص۸۱۴)

(۹) مدائن کے کھنڈرات دیکھ کر شہرۂ آفاق قصیدہ کہا، جس کا مطلع کچھ یوں ہے:

ہان ای دل عبرت بین از دیدۂ نظر کن ہان ایوان مدائن را آئینۂ عبرت دان (ایضاً،ص۳۲۱)

اس قصیدے کی تفصیل و شرح کے لیے دیکھیے: غلام حسین یوسفی، چشمۂ روشن، صص ۱۵۶_۱۶۸

(۱۰) عزیز از جاں بیٹے، محبوب بیوی اور پہلے پہل ناپسندیدہ اور بعد از وفات گنجینۂ زر سمجھی جانے والی بیٹی کی جدائی کا دلسوز ذکر یوں کرتا ہے:

پسر داشتم چون بلند آفتابی ز ناگہ بہ تاری مغاکش سپردم
بہ درد پسر، مادرش چون فروشد بہ خاک، آن تن دردناکش سپردم
یکی بکر چون دختر نغز بودم بہ روشندلی چون سماکش سپردم
چو دختر سپردم بہ داماد گفتم کہ گنج زر است این بہ خاکش سپردم (ایضاً،ص۸۲۹)

نیز دیکھیے: مرثیۂ رشید الدین، فرزند خاقانی، صص ۱۴۲_۱۴۶۔

(۱۱) مقبرۃ الشعراء تبریز کے محلۂ سرخاب میں واقع ایک تاریخی قبرستان ہے۔ آٹھویں صدی ہجری تک کسی تاریخی کتاب میں اس کا نام نہیں ملتا۔ سدید الدین محمد عوفی نے تقریباً ۶۱۸ھ میں 'لباب الالباب' کو مکمل کیا، جس میں فارابی اور خاقانی کا ذکر تو ہے لیکن مقبرۃ الشعراء کا نام کہیں درج نہیں۔ حمداللہ مستوفی وہ پہلا شخص ہے جس نے آٹھویں صدی ہجری میں اپنی تصانیف 'نزہت القلوب' اور 'تاریخ گزیدۂ مستوفی' میں مقبرۃ الشعراء کا ذکر کیا ہے۔ مقبرۃ الشعراء کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے اور اسے تبریز کی پہچان قرار دیا جاتا ہے۔ حکیم اسدی طوسی (وفات: ۱۰۷۲ء) سے لے کر استاد محمد حسین شہریار (۱۹۰۶ء_۱۹۸۸ء) تک چار سو سے زائد شعراء

یہاں مدفون ہیں ۔جن میں مذکورہ دوشعراء کے علاوہ قطران تبریزی (۱۰۰۹ء۔۱۰۷۲ء)،ظہیر فاریابی (وفات: ۱۲۰۱ء)، خاقانی شروانی (۱۱۲۱ء۔۱۱۹۰ء)، ہمام تبریزی (۱۲۳۹ء۔۱۳۱۵ء) اور مجیر الدین بیلقانی (۵۸۶ھ) بے حد نمایاں ہیں۔

(۱۲) قصیدے کا شعر دیکھیے، جس پر غزل کا گماں گزرتا ہے:

اشک در رقص است و نالہ در سماع　　　بر سماع و رقص جان خواہم فشاند (ایضاً،۹۴)

(۱۳) بطور مثال دیکھیے: دیوان خاقانی: ص ۲۶۔۲۹، ۳۳۔۳۷، ۶۷۔۷۷، ۲۶۸۔۲۷۳۔

(۱۴) بطور مثال دیکھیے: دیوان خاقانی: ص ۷۸۲۔۷۹۵، ۸۶۹۔۸۷۱۔

(۱۵) دیکھیے: دیوان خاقانی: ص ۲۱۶۔۲۱۸۔

(۱۶) دیکھیے: دیوان خاقانی: ص ۷۶۸، ۸۲۹۔

(۱۷) کہتا ہے:

او بدی گوید و او را شاید　　　من نگویم و آن را شایم

او بہ من جوہر خود بنمود است　　　من بدو گوہر خود بنمایم (ایضاً،۸۲۴)

(۱۸) ستائش پیامبر پر خود کو فخریہ حسان العجم کہتا ہے:

چون دید کہ در سخن تمامم　　　حسان عجم نہاد نامم (تحفۃ،۲۲۱)

(۱۹) مزید کہتا ہے کہ اگر دنیاوی وسائل میسر نہیں ہیں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں، یہی فقر و قناعت میری دولت وحشمت ہے:

اسباب ہست و نیست، گرم نیست، گو: مباش

کاین نیستی کہ ہست، مراحشمت من است (دیوان،۷۵۶)

(۲۰) خودستائی کا خوگر دعویٰ کرتا ہے کہ ہزار سال کی جان کنی کے بعد مجھا ایسا گوہر نایاب حاصل کرپاتا ہے:

ہزار سال فلک جان کند نشیب وفراز　　　کہ چون منی بہ کف آرد مگر بہ جان کندن (ایضاً،۸۴۵)

(۲۱) خاقانی، سنائی کا معتقد ہے اور خود کو اس کا جانشین خیال کرتا ہے:

چون زمان عہد سنائی در نوشت　　　آسمان چون من سخن گستر بزاد

چون بہ غزنین ساحری شد زیر خاک　　　خاکِ شروان ساحری دیگر بزاد (ایضاً،۸۰۴)

سبک سنائی کی تقلید میں خاقانی کے ہاں سیر وسلوک، پند وموعظت، زہد و پارسائی، ترک دنیا، قناعت پسندی، درویشانہ افکار اور روحانی تغیر و باطنی انقلاب جیسے موضوعات پر اثر انگیز اشعار ملتے ہیں۔

(۲۲) علی دشتی نے 'شاعری در آشنا' اور میر جلال الدین کزازی نے 'رخسار صبح' میں اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھیے: دشتی: صص ۵۳۔۶۲؛ کزازی: صص ۱۶۳۔۱۷۵۔

منابع و مآخذ

(۱) آذر، لطف علی بیگ (۱۲۷۷ش/۱۸۹۸ء) آتشکدہ، بمبئی، ہندوستان۔

(۲) آربری، آرتھر (۱۹۹۲ء) ادبیات کلاسیک فارسی، مترجم اسد اللہ آزاد، بار اول، آستان قدس رضوی، ایران۔

(۳) ابراہیمی، جعفر؛ احمد رضا احمدی، اسد اللہ شعبانی، سیروس طاہباز (۱۹۹۷ء) ہزار سال شعر فارسی، بار چہارم، کانون پرورش فکری کودکان ونو جوانان، تہران، ایران۔

(۴) ابوطالب تبریزی، خلاصۃ الافکار، مخطوطہ، ۱۴۱۷ برگ، دی برٹش لائبریری، لندن، برطانیہ۔

(۵) اوحدی، تقی الدین، عرفات العاشقین، مخطوطہ، کتابخانہ ملک، شمارہ ۴۳۸۴۱، تہران، ایران۔

(۶) جامی، عبدالرحمان (۱۳۳۳ش/۱۹۵۴ء) نفحات الانس، لکھنؤ، ہندوستان۔

(۷) حافظ شیرازی (۱۳۷۴ش/۱۹۹۵) دیوان غزلیات حافظ، بار پانزدہم، انتشارات صفی علی شاہ، تہران، ایران

(۸) خاقانی شروانی (۱۳۱۶ش/۱۹۳۷ء) دیوان خاقانی، چاپ عبدالرسولی، تہران، ایران۔

(۹) خانلری، زہرا (۱۳۴۱ش/۱۹۶۲ء) راہنمای ادبیات فارسی، کتابخانہ ابن سینا، تہران، ایران۔

(۱۰) خیام پور، عبدالرسول تاہباز (۱۹۸۹ء) فرہنگ سخنوران، بار اول، انتشارات طلایہ، تہران، ایران۔

(۱۱) دولت شاہ سمرقندی (۱۹۰۰ء) تذکرۃ الشعراء، لیدن۔

(۱۲) رازی، امین احمد (۱۹۳۹ء) تذکرۂ ہفت اقلیم، جلد اول، کلکتہ، ہندوستان۔

(۱۳) ریپکا، یان؛ اتاکار کلیما؛ ایرژی بچکا (۱۹۹۱ء) تاریخ ادبیات ایران، مترجم کریم کشاورزی، ویراستار بہمن حمیدی، بار اول، ناشر انتشارات گوتنبرگ وجاویدان خرد، تہران، ایران۔

(۱۴) زرین کوب، عبدالحسین (۱۹۹۴ء) با کاروان حلہ، بار ہشتم، انتشارات علمی، تہران، ایران۔

(۱۵) ایضاً (۱۹۸۶ء) دفتر ایام، بار اول، انتشارات علمی، تہران، ایران۔

(۱۶) سعدی شیرازی (۱۳۷۳ش/۱۹۹۴ء) دیوان غزلیات سعدی شیرازی، بار ہشتم، انتشارات مہتاب، تہران

(۱۷) سنائی غزنوی (۱۹۶۲ء) دیوان حکیم سنائی غزنوی، با ہتمام مدرس رضوی، کتابخانہ ابن سینا، تہران، ایران

(۱۸) شفق، رضازادہ (۱۹۵۴ء) تاریخ ادبیات ایران، تہران، ایران۔

(۱۹) شفیعی کدکنی، محمد رضا (۲۰۰۱ء) تا زیانہ ہای سلوک، بار سوم، انتشارات آگاہ، تہران، ایران۔

(۲۰) صفا، ذبیح اللہ (۱۹۹۴ء) تاریخ ادبیات در ایران، جلد دوم، بار سیزدہم، انتشارات فردوس، تہران، ایران

(۲۱) عراقی، فخر الدین (۱۳۸۲ش/۲۰۰۳ء) کلیات عراقی، بہ تصحیح نسرین محتشم، بار دوم، انتشارات زوّار، تہران

(۲۲) فروزانفر، بدیع الزمان (۱۳۱۲۔۱۳۰۸ش/۱۹۳۳ء۔۱۹۲۹ء) سخن وسخنوارن، دو جلد، تہران، ایران۔

(۲۳) مولانا رومی، جلال الدین محمد مولوی (الف) (۱۳۶۳ش/۱۹۸۹ء) کلیات دیوان شمس تبریزی، مقدمہ وشرح لغات از بامداد جویباری، متن نکلسون، بار اوّل، انتشارات گلشائی، تہران، ایران۔

(۲۴) نفیسی، سعید (۱۳۴۴ش/۱۹۶۵ء) تاریخ نظم ونثر در ایران ودر زبان فارسی، کتابفروشی فروغی، تہران، ایران

(۲۵) والہ داغستانی، علی قلی خان، ریاض الشعراء، مخطوطہ، دی برٹش لائبریری، لندن، برطانیہ۔

(۲۶) ہدایت، رضا قلی خان (۱۳۰۵ش/۱۹۲۶ء) ریاض العارفین، تہران، ایران۔

(۲۷) یوسفی، غلام حسین (۱۹۹۴ء) چشمۂ روشن، بار پنجم، انتشارات علمی، تہران، ایران۔

(28) Browne, Edward. G (1964) A Literary History of Persia, Volume2, Cambridge University Press, United Kingdom.

(29) Levy , Reuben (1948) Persian Literature, 5th Edition, Oxford University Press, United Kingdom.